

## ”فقہ حنفی“ کی شورایت پر ایک نظر

مفتی امانت علی قاسمی

اس وقت پوری دنیا میں عملی اعتبار سے ائمہ اربعہ کی فقہ رائج و متداول ہے، ان میں بھی عمومی قبولیت اور خصوصی امتیاز فقہ حنفی کو حاصل ہے، بلکہ اگر کہا جائے کہ اولیت و مرجعیت اسی فقہ کا مقدر ہے، تو غلط نہ ہوگا، فقہ حنفی نے ترقی کی جس اوج کمال کو دریافت کیا ہے اس کے اسباب و علل کا پتہ لگانا دشوار نہیں؛ اس فقہ کی ترقی و کمال کا راز سربستہ بظاہر اس فقہ کی جامعیت، احوال زمانہ سے ہم آہنگی، اصول و قواعد کی چنگلی اور احادیث و آثار کا انضمام ہے۔

فقہ حنفی کی خصوصیت:..... علامہ شبلی نعمانیؒ نے ”سیرۃ النعمان“ میں فقہ حنفی کی خصوصیت پر مفصل کلام کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے: (۱) فقہ حنفی کے مسائل اسرار و مصالح پر مبنی ہوتے ہیں (۲) فقہ حنفی پر عمل بہ نسبت تمام فقہوں کے نہایت آسان ہے (۳) فقہ حنفی میں معاملات کے متعلق جو قواعد ہیں نہایت وسیع اور متمدن ہیں (۴) فقہ حنفی نے ذمیوں کے حقوق (یعنی وہ لوگ جو مسلمان نہیں ہیں؛ لیکن مسلمانوں کی حکومت میں مطیعانہ رہتے ہیں) نہایت فیاض اور آزادی سے دیئے ہیں۔ یہ وہ خصوصیت ہے جس کی نظیر کسی امام اور مجتہد کے یہاں نہیں ملتی (۵) فقہ حنفی نصوص شرعیہ کے موافق ہے، یعنی جو احکام نصوص سے ماخوذ ہیں اور جن میں ائمہ کا اختلاف ہے ان میں امام ابوحنیفہؒ جو پہلو اختیار کرتے ہیں وہ عموماً قوی اور مدلل ہوتا ہے۔ (ص: ۱۹۴)

شورائی نظام:..... فقہ حنفی کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ فقہ ایک شخص کی رائے پر مبنی نہیں ہے؛ بلکہ امام ابوحنیفہؒ نے جس جامع اور محیط طرز پر فقہ کی تدوین کا منصوبہ بنایا تھا، وہ انتہائی وسیع اور دشوار کام تھا، اس لیے آپ نے اتنے بڑے اور اہم ارادے کی تکمیل کے لیے اپنے شاگردوں میں سے چالیس جہاں العلم محدثین و فقہاء، طریقہ تخریج کے ماہر اور علم عربیت و لغت کے مرشداً شرفاً افراد کا انتخاب کیا اور ایک مجلس شورائی تشکیل دی، جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو امام صاحب تمام اراکین شورائی سے استفسار کرتے، اگر تمام کی رائے کسی ایک امر پر متفق ہو جاتی تو

امام ابو یوسفؒ منہج انداز میں اصول کی کتابوں میں درج فرمادیتے، اور اگر رائے مختلف ہوتی تو آزادانہ طور پر بحث کا سلسلہ جاری رہتا، کبھی کبھی ایک مسئلہ پر مہینوں بحث کا سلسلہ جاری رہتا، پھر جب روز روشن کی طرح دلائل واضح ہو جاتے تو اس کو لکھ لیا جاتا؛ موقوف بن احمد کی ”مناقب ابی حنیفہ“ میں لکھتے ہیں:

”فكان يلقى مسألة مسألة وسمع ما عندهم ويقول ما عنده ويناظرهم شهراً، أو أكثر من ذلك حتى يستقر أحد الأقوال ثم يثبتها أبو يوسف في الأصول“

”امام صاحب ایک ایک مسئلہ پیش کرتے اور ان کی رائے سنتے اور اپنا نظریہ بیان کرتے اور ایک ایک مہینہ؛ بلکہ ضرورت پڑتی تو اس سے بھی زیادہ عرصہ تک اس میں مناظرہ و مباحثہ کرتے رہتے، حتیٰ کہ جب کسی ایک قول پر سب کی رائے جم جاتی تو امام ابو یوسف اصول میں درج کر دیتے۔ (مناقب موقوف: ۲/۱۳۳) اس کے بعد بھی اگر کسی کا اختلاف رہ جاتا تو ان کے اختلاف کے ساتھ بقید تحریر لایا جاتا اور اس امر کا اہتمام و التزام ہوتا کہ جب تک ایک مسئلہ حل نہ کر لیا جائے التواء میں نہ ڈالا جائے؛ علامہ کروری کا بیان سنتے چلے، فرماتے ہیں:

”أذا وقعت لهم مسألة يديرونها حتى يضيئونها“

”جب اس مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو اس کو آپس میں خوب گردش دیتے، یہاں تک کہ بال آخر اس کی تہ تک پہنچ کر اس کو روشن کر لیتے۔“ (مناقب کروری: ۲/۳)

امام صاحب محض اپنی ذاتی رائے کی تدوین پسند نہ کرتے، جب تک خوب اس پر اچھی طرح غور نہ فرما لیتے اور مجلس شوریٰ کے ذریعہ بھی اس کے ہر پہلو نمایاں نہ ہو جاتے، یہی وجہ ہے کہ کبھی امام ابو یوسفؒ امام صاحب کی رائے بدون تنقیح و تحقیق لکھ دیتے تو امام صاحب ان کو متنبہ فرماتے:

”لا تكذب كل ما تسمع مني فاني قد أرى الرأي اليوم وأترکہ غدأً، وأرى الرأي غدأً وأترکہ فی غدہ“

”ہر وہ چیز جو مجھ سے سنتے ہو مت لکھ لیا کرو؛ کیوں کہ اگر میں آج کوئی رائے قائم کرتا ہوں تو کل اُسے چھوڑ دیتا ہوں اور کل کی رائے پرسوں ترک کر دیتا ہوں۔“

(مقدمہ نصب الراية: ۳۱۰)

فقہی مسائل میں شوریٰ کی شرعی حیثیت:..... اسلام میں شوریٰ کی افادیت و اہمیت مسلم ہے، قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے انصار کے نظام شوریٰ کی تعریف و توصیف بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”وَأمرهم شورى بينهم“ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کی تلقین فرمائی: ”وشاورهم فی ال أمر“ احادیث میں بھی شوریٰ کی حکمتیں اور فضیلتیں

مذکور ہیں، اسی لیے حضرات صحابہ شوریٰ نظام پر عمل پیرا تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرما جانے کے بعد سب سے پہلا مسئلہ ”خلافت“ کا صحابہ نے شوریٰ ہی کے ذریعہ حل کیا تھا، حضرت ابوبکرؓ اپنے زمانہ خلافت میں شوریٰ کے ذریعہ ہی مسائل حل کیا کرتے تھے، بیہقی نے ”السنن الکبریٰ“ میں میمون بن مہران کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ:

”حضرت ابوبکرؓ کے پاس جب بھی کوئی مقدمہ آتا اور کتاب وسنت میں اس کا حل ملتا تو اسی کے ذریعہ فیصلہ فرماتے تھے، اور اگر قرآن وسنت میں مسئلہ کا حل نہ معلوم ہوتا تو صحابہ ؓ کے پاس آتے اور صحابہ سے پوچھتے کہ میرے پاس ایسا مقدمہ آیا ہے، کیا تم میں سے کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کے مقدمہ کا کوئی فیصلہ سنا ہے؟ بعض صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بیان کرتے تو حضرت ابوبکرؓ اس پر عمل کرتے اور اللہ کی تعریف کرتے کہ ہمارے درمیان ایسے لوگ ہیں جو اپنے نبی کے علم کے محافظ ہیں، لیکن اگر حدیث سے بھی کوئی حل نہ ملتا، تو کبار صحابہ اور فقہاء صحابہ کو جمع کرتے ان سے مشورہ کرتے اور جب وہ لوگ کسی امر پر متفق ہو جاتے تو اسی کا فیصلہ فرما دیتے“

(السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۰/۱۱۳-۱۱۵، المصباح: ۱/۱۱۱)

حضرت عمرؓ نے بھی اپنے زمانہ خلافت میں فقہی مسائل کے حل کے لیے ایک شوریٰ تشکیل دی تھی اور جب بھی کوئی مسئلہ پیش آتا تو مدینہ کے فقہاء صحابہ کو جمع کر کے تبادلہ خیال فرماتے اور اجتماعی طور پر کوئی فیصلہ فرماتے، علامہ ابن القیم نے بھی اپنی تصنیف اعلام الموقعین، ج: ۱، ص: ۶۵ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اس شوریٰ منہج کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ فقہی مسائل کے حل کے سلسلہ میں حضرات صحابہؓ میں زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا اور تابعین میں عمر بن عبدالعزیزؓ، مروان بن الحکمؓ، اور فقہاء سبعہ مدینہ کا بھی شوریٰ منہج تھا۔ (المصباح: ۱/۱۱۵)

مجلس شوریٰ کی جامعیت:..... حضرت حمادؓ کے انتقال کے بعد کوفہ کی مسند جب امام صاحب کے سپرد کی گئی تو باوجودیکہ امام صاحب علم حدیث کے امام اور فقہ کے استاذ الاساتذہ تھے، اجتہاد میں اعلیٰ مقام پر فائز تھے، اور اس باب میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے، پھر بھی اس وادی غیر ذی زرع اور لقی ودق میدان میں تنہا طبع آزمائی کرنا مناسب خیال نہ کیا اور اپنے ممتاز تلامذہ کو بھی کار اجتہاد میں شریک کیا، اور اس طرح حضرت الامام نے حضرات شیخینؓ کی سنت کو زندہ کیا، اس نظام کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس میں مسائل کے حل کے لیے اجتماعی سعی کی جاتی ہے اور اجتماعی سعی انفرادی کوشش سے بہر حال افضل ہے، اگرچہ یہ طریقہ بھی معصوم عن الخطا نہیں ہے؛ لیکن انفرادی کوشش کی بہ نسبت اس طریقہ اجتہاد میں غلطی کا امکان کم ہے، اس پر مستزاد یہ کہ اجتماعیت میں جو قوت ہے وہ کوئی دھکی چھپی بات نہیں، اسی لیے جب امام الحدیثین و کج بن الجراح کے سامنے کہا گیا کہ: امام صاحب سے اس مسئلہ میں غلطی ہوئی

ہے، تو انھوں نے کہا:

”امام ابوحنیفہ غلطی کیسے کر سکتے ہیں، جبکہ ان کے پاس ابو یوسف اور زفر جیسے قیاس کے ماہر، یحییٰ بن ابوزراندہ، حفص بن غیاث، حنبل اور مندمل جیسے حفاظ حدیث اور قاسم بن معین اور امام محمد جیسے لغت عربیت کے جاننے والے، داؤد طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زاہد و متقی حضرات ہیں اگر ابوحنیفہ غلطی کریں گے تو کیا یہ لوگ ان کی اصلاح نہ کریں گے؟“ (اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص: ۱۵۲)

وکج کے اس بیان سے جہاں تدوین فقہ کی دستوری کمیٹی کے افراد کی علمی جلالِ قدر سامنے آتی ہے اور بحث و تحقیق کا طریق کار معلوم ہوتا ہے، وہیں امام صاحب کے ارکانِ شوریٰ کی جامعیت اور آپ کے رفقاء کے بلند مقام کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے۔

بحث و مباحثہ:..... مجلس شوریٰ میں جب بھی کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا تو تمام اراکین کھل کر بحث و نقد میں حصہ لیتے اور ہر ایک کو احادیث و آثار اور اجماع و قیاس کی روشنی میں آزادانہ نقد و تبصرہ کا موقع دیا جاتا، مجلس کا ہر فرد آزادی کے ساتھ اپنی دلیل امام صاحب کے سامنے پیش کرتا اور امام صاحب ہر ایک کی دلیل صبر و ضبط سے سنتے رہتے، بسا اوقات ان کی آواز بھی بلند ہو جاتی اور دورانِ بحث بعض اراکین خود امام صاحب سے جو صدر مجلس اور سب کے استاذ بن جاتے، اختلاف کر بیٹھتے اور یہاں تک کہہ دیتے کہ ”آپ کی فلاں دلیل غلط ہے“ بعض اجنبی لوگ امام صاحب سے کہتے کہ: آپ اتنی بے باکی سے بات کرنے والوں کو کیوں نہیں روکتے؟ تو امام صاحب فرماتے کہ: میں نے خود ان کو آزادی دی ہے اور ان کو اس امر کا عادی بنایا ہے کہ کسی سے مرعوب نہ ہوں اور یہ لوگ ہر ایک کے حتیٰ کہ میرے دلائل پر نکتہ چینی کریں تاکہ صحیح بات بالکل منقطع ہو کر سامنے آجائے۔ (معجم المصنفین، ص: ۱۷۴)

بعض مرتبہ بعض اراکین امام صاحب کے سامنے ایک دوسرے کی تردید کرتے تو امام صاحب جانین کے دلائل سن کر واضح فیصلہ فرماتے، علامہ کردریؒ امام صاحب کے نبیرہ اسمعیل بن حماد کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

”ایک مرتبہ امام ابو یوسف امام ابوحنیفہ کے داہنے جانب بیٹھے تھے اور امام زفر بائیں جانب اور دونوں ایک مسئلہ میں بحث کرنے لگے، جب امام ابو یوسف کوئی دلیل پیش کرتے تو امام زفر اس کی تردید کر دیتے اور جب امام زفر کوئی دلیل پیش کرتے تو امام ابو یوسف اس کی تضعیف کر دیتے، یہ مباحثہ ظہر تک جاری رہا، جب ظہر کی اذان ہوئی تو امام ابوحنیفہ نے امام زفر کی ران پر ہاتھ مار کر فرمایا: زفر ایسے شہر کی سرداری کی طرح نہ کر جس میں ابو یوسف رہتے ہیں اور امام ابو یوسف کے حق میں فیصلہ فرمایا۔“ (مناقب کردری: ۲/ ۳۹۶)

فقہ تقدیری:..... فقہ حنفی کی غیر معمولی شہرت و مقبولیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ امام صاحب کی شوریٰ میں صرف پیش آمدہ واقعات و حادثات پر بحث نہیں ہوتی تھی، بلکہ غیر پیش آمدہ واقعات کے حل کی جانب بھی خصوصی توجہ دی

جاتی تھی، تاکہ جب واقعہ پیش آئے تو اس کا حل ممکن ہو اور عمل کرنا آسان ہو، امام صاحب نے شوریٰ کے توسط سے ایسے اصول مرتب کیے کہ ہر زمانے میں پیش آمدہ مسائل کا حل باسانی دریافت کیا جاسکے، امام صاحب کے تقدیری مسائل سے شغف کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے جس کو خطیبؒ نے نقل کیا ہے:

”نضر بن محمد کہتے ہیں کہ ابو قتادہ کوفہ آئے اور ابو بردہ کے گھر قیام کیا، ایک دن باہر نکلے تو لوگوں کی بھیڑ ان کے گرد جمع ہو گئی، قتادہ نے قسم کھا کر کہا جو شخص بھی حلال و حرام کا مسئلہ دریافت کرے گا میں ضرور اس کا جواب دوں گا، امام ابو حنیفہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا ابو الخطاب! (ان کی کنیت ہے) آپ اس عورت کے متعلق کیا فرماتے ہیں کہ جس کا شوہر چند سال سے غائب رہا، اس نے یہ یقین کر کے کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے دوسرا نکاح کر لیا، اس کے بعد پہلا شوہر بھی آ گیا، آپ اس کے مہر کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ اور جو بھیڑ ان کو گھیرے کھڑی تھی ان سے مخاطب ہو کر فرمایا اگر اس مسئلہ کے جواب میں یہ کوئی حدیث روایت کریں گے تو غلط روایت کریں گے اور اگر اپنی رائے سے فتویٰ دیں گے تو وہ بھی غلط ہوگا، قتادہ بولے کیا خوب! کیا یہ واقعہ پیش آچکا ہے، امام صاحب نے فرمایا نہیں، انھوں نے کہا پھر جو مسئلہ ابھی تک پیش نہیں آیا اس کا جواب مجھ سے کیوں دریافت کرتے ہو؟ امام صاحب نے فرمایا کہ ہم حادثہ پیش آنے سے قبل اس کے لیے تیاری کر لیتے ہیں تاکہ جب پیش آجائے تو اس سے نجات کی راہ معلوم رہے، قتادہ ناراض ہو کر بولے خدا کی قسم میں حلال و حرام کا مسئلہ تم سے بیان نہیں کروں گا، ہاں کچھ تفسیر کے متعلق پوچھنا ہو تو پوچھو۔ اس پر امام صاحب نے ایک تفسیری سوال کیا قتادہ اس پر بھی لا جواب ہو گئے اور ناراض ہو کر اندر تشریف لے گئے۔“ (تاریخ بغداد ۱۳/ ۳۴۷)

اٹل واقعہ سے امام صاحب کی ذکاوت و ذہانت اور فقہ سے گہری وابستگی کے ساتھ تقدیری اور بعد میں پیش آنے والے مسائل کی طرف ان کے غایت انہماک و اہتمام کا پتہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

مجموعہ مسائل:..... امام صاحب ۱۲۰ھ میں اپنے استاذ حضرت حماد کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے اور ۱۵۰ھ میں عالم ناموس سے دار بقا کو چلے گئے، اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ امام صاحب کا شورائی نظام تقریباً تیس سال پر محیط ہے، لیکن بعض حضرات کی رائے ہے کہ ۲۲ سال کی مدت میں امام صاحب نے قانون اسلامی اور فقہ حنفی کو مدون کیا ہے، خیر یہ مدت تیس سال ہو یا بائیس سال، اس طویل المیعاد مدت میں اس شوریٰ نے کس قدر مسائل کا استنباط کیا، اس میں بھی علماء کے اقوال مختلف ہیں، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار ہے، مئیں الائمہ کردرئی لکھتے ہیں کہ یہ مسائل چھ لاکھ تھے، علامہ موفق بن احمدؒ نے بھی چھ لاکھ کا قول نقل کیا ہے اور مزید لکھا ہے کہ فقہ حنفی کی کتابوں سے اس کی تائید ہوتی ہے؛ لیکن محققین کے رائے ہے کہ امام صاحب کی شوریٰ کے ذریعہ فیصل

ہونے والا مجموعہ ۸۳ ہزار دفعات پر مشتمل تھا، جس میں ۳۸ ہزار مسائل عبادات سے متعلق تھے، باقی ۴۵ ہزار مسائل کا تعلق معاملات و عقوبات سے تھا، اور امام صاحب کو جب کوفہ سے بغداد جیل منتقل کیا گیا تب بھی تدوین فقہ کا سلسلہ جاری رہا اور امام محمد کا تعلق امام ابو حنیفہؒ سے یہیں قائم ہوا اور اضافہ کے بعد اس دستوری خاکہ میں کل مسائل کی تعداد پانچ لاکھ تک پہنچی گئی۔ (دفاع امام ابو حنیفہ، ص: ۱۲۶، فتاویٰ رحیمیہ: ۱/ ۱۳۶، سیرۃ النعمان، ص: ۱۵۴)

ارکان شریعت: امام اعظمؒ نے دستور اسلامی کی مجلس تدوین میں جن جن عظیم المرتبت اشخاص کا انتخاب کیا تھا، فقہ اسلامی کے ماہرین اور امام صاحب کے تذکرہ نگاروں نے ان کی تعداد چالیس بیان کی ہے، امام طحاویؒ نے اپنی مسند سے نقل کیا ہے کہ امام صاحب کے چالیس ممتاز اور ماہرین ثلاثہ تدوین فقہ اور کبار اجتہاد میں ان کے شریک و معاون تھے، اگرچہ امام طحاویؒ نے چند ناموں پر اکتفاء کیا ہے؛ لیکن بعض دیگر مؤرخین نے تمام اسماء کو شمار کر دیا ہے، جو حسب ذیل ہیں:

- (۱) امام زفر، م ۱۵۸ھ (۲) امام مالک بن مغول، م ۱۵۹ھ (۳) امام داؤد طائی، م ۱۶۰ھ (۴) امام مندل بن علی، م ۱۶۸ھ (۵) امام نصر بن عبدالکریم، م ۱۶۹ھ (۶) امام عمرو بن میمون، م ۱۷۱ھ (۷) امام حبان بن علی، م ۱۷۳ھ (۸) امام ابو عاصم، م ۱۷۳ھ (۹) امام زہیر بن معاویہ، م ۱۷۳ھ (۱۰) امام قاسم بن معن، م ۱۷۵ھ (۱۱) امام حماد بن الامام الاعظم، م ۱۷۶ھ (۱۲) امام ہیان بن بسطام، م ۱۷۷ھ (۱۳) امام شریک بن عبداللہ، م ۱۷۸ھ (۱۴) عافیہ بن یزید، م ۱۸۰ھ (۱۵) امام عبداللہ بن مبارک، م ۱۸۱ھ (۱۶) امام ابو یوسف، م ۱۸۲ھ (۱۷) امام محمد بن نوح، م ۱۸۲ھ (۱۸) امام شہیم بن بشیر السلمی، م ۱۸۳ھ (۱۹) ابوسعید یحییٰ بن زکریا، م ۱۸۳ھ (۲۰) امام فضیل بن عیاض، م ۱۸۷ھ (۲۱) امام اسد بن عمر، م ۱۸۸ھ (۲۲) امام محمد بن الحسن، م ۱۸۹ھ (۲۳) امام یوسف بن خالد، م ۱۸۹ھ (۲۴) امام علی بن مسہر، م ۱۸۹ھ (۲۵) امام عبداللہ بن ادریس، م ۱۹۲ھ (۲۶) امام فضل بن موسیٰ، م ۱۹۲ھ (۲۷) امام علی بن طہیان، م ۱۹۲ھ (۲۸) امام حفص بن غیاث، م ۱۹۴ھ (۲۹) دکیج بن جراح، م ۱۹۷ھ (۳۰) امام ہشام بن یوسف، م ۱۹۷ھ (۳۱) امام یحییٰ بن سعید القطان، م ۱۹۸ھ (۳۲) امام شعیب بن اسحاق، م ۱۹۸ھ (۳۳) امام حفص بن عبدالرحمن، م ۱۹۹ھ (۳۴) ابو مطیع یحییٰ، م ۱۹۹ھ (۳۵) امام خالد بن سلیمان، م ۱۹۹ھ (۳۶) امام عبدالحمید، م ۲۰۳ھ (۳۷) امام حسن بن زیاد، م ۲۰۴ھ (۳۸) امام ابو عاصم اللیثی، م ۲۱۲ھ (۳۹) امام مکی بن ابراہیم، م ۲۱۵ھ (۴۰) امام حماد بن دلیل، م ۲۱۵ھ (الجواہر المفضیہ: ۱/ ۱۴، بحوالہ امام اعظم ابو حنیفہ، ص: ۱۷۸)

مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کی ایک فقہ اکادمی تھی جس میں ان کے ممتاز ثلاثہ ان

کے معاون اور شریک کار تھے اور امام صاحب مجتہد فیہ مسائل کو اجتماعی طور پر حل کیا کرتے تھے، لیکن ان حضرات کے اسمائے گرامی اور سنین ولادت و وفات کا عمومی جائزہ لیا جائے تو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ یہ تمام تلامذہ اکیڈمی کے قیام کے وقت سے ہی ان کے شریک کار تھے، جیسے کہ امام محمدؒ کی سن پیدائش ۱۳۲ھ اور یحییٰ بن ابوزاندہ کی سن پیدائش ۱۲۰ھ ہے اور عبد اللہ بن مبارک کی سن پیدائش ۱۱۸ھ ہے جبکہ امام صاحب کی شوریٰ ۱۲۰ھ یا ۱۲۸ھ سے قائم ہے، تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ یہ تلامذہ اسی وقت سے ان کی کمیٹی میں داخل ہو گئے تھے، اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام صاحب □ نے وقتاً فوقتاً اپنے تلامذہ کو اپنے کاراجتہاد میں شریک کیا تھا، آپ کے بعض تلامذہ ایسے بھی تھے کہ جب آپ کے دامن تربیت سے وابستہ ہوتے تو آپ سے جدا ہونا حراما نصیبی تصور کیا اور تاحیات آپ کے علمی سرچشمے سے تشکی علم کو فرو کرتے رہے، یہی تلامذہ جو درحقیقت خود بھی اجتہاد کے درجے پر فائز تھے، آپ کی اکیڈمی کے رکن رکین تھے، انھیں خادمان فقہ حنفی نے تقریباً تیس سال کی مدت میں فقہ حنفی کی تدوین کا عظیم الشان اور لازوال کارنامہ انجام دیا ہے، جن کی مجموعی تعداد چالیس تک پہنچی ہے۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء

امام صاحب کے مخصوص تلامذہ:..... جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ فقہ حنفی کی تدوین میں امام صاحب کے چالیس تلامذہ شریک تھے، لیکن ان میں بھی دس تلامذہ سابقین اولین میں سے تھے، جیسا کہ طحاویؒ نے اسد بن فرات سے نقل کیا ہے:

”کان أصحاب أبی حنیفة الذین دونوا الکتب أربعین رجلاً فكان فی العشرة المتقدمین أبو یوسف، زفر بن ہذیل و داؤد الطائی و أسد بن عمرو و یوسف بن خالد السمعی و یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ“

(مقدمہ نصب الراية ص ۳۸)

”امام صاحب کے تلامذہ جنھوں نے فقہ حنفی کو مدون کیا چالیس ہیں ان میں دس سابقین میں: ابو یوسف، زفر بن ہذیل، داؤد طائی، اسد بن عمر، یوسف بن خالد سمعی، یحییٰ بن زکریا بن ابوزاندہ ہیں۔“  
یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ چالیس افراد کی دستوری کمیٹی کے علاوہ دس یا بارہ افراد پر مشتمل ایک دوسری خصوصی کمیٹی تھی، جو فیصلے کو آخری شکل دیتی تھی اور حتمی نتائج پر پہنچتی تھی، جیسا کہ ضمیری نے امام زفرؒ کے متعلق لکھا ہے:

”ثم انتقل الی أبی حنیفة فكان أحد العشرة الأكابر الذین دونوا الکتب مع أبی حنیفة“

”پھر امام ابو حنیفہؒ کے پاس آئے اور امام صاحب کے ان دس لوگوں کی خصوصی کمیٹی کے رکن بنے جنھوں

نے فقہ حنفی کو مدون کیا۔“ (اخبار ابی حنیفہ ص ۱۰۷)

اب ذیل میں انھیں سابقین فقہ حنفی میں سے بعض کے مختصر حالات قلم بند کیے جاتے ہیں:

امام ابو یوسف:..... آپ کا اصل نام یعقوب بن ابراہیم ہے، کوفہ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۲ھ میں وفات پائی، معاشی اعتبار سے بہت کمزور تھے، لیکن علم کا شغف بچپن ہی میں پیدا ہو گیا تھا، والد کی خواہش تھی کہ آپ کوئی کام کریں اور گھر کا انتظام کریں، لیکن امام صاحب کی صحبت فیض رسا نے مالی اعتبار سے بھی بے نیاز کر دیا اور علمی دنیا میں قاضی القضاۃ کے مقام تک پہنچا دیا، خلیفہ مہدی نے ۱۶۶ھ میں قاضی کے عہدہ پر مامور کیا، مہدی کے بعد اس کے جانشین ہادی نے بھی اسی عہدہ پر بحال رکھا، پھر خلیفہ ہارون رشید نے آپ کے لیاقت والہیت سے واقف ہو کر تمام بلاد اسلامیہ کا قاضی القضاۃ بنا دیا، یہ وہ عہدہ تھا جو تاریخ اسلام میں کسی کو نصیب نہیں ہوا تھا، آپ کے عہدہ قضا پر فائز ہونے سے فقہ حنفی کو بڑا عروج حاصل ہوا، آپ فقہاء رائے میں اولین فقیہ ہیں جنہوں نے اقوال کو احادیث نبویہ سے مؤید کیا، آپ اصحاب ابو حنیفہ میں سب سے بڑے حافظ حدیث کہلاتے تھے، امام ابو یوسف نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں انہوں نے اپنے اور اپنے استاذ کے افکار و نظریات کو مدون کیا ہے، ابن الندیم نے ان تمام کتابوں کی فہرست دی ہے، ان میں کتاب الخراج، اختلاف ابن ابی لیلیٰ، الرد علی سیر الاوزاعی زیادہ مشہور ہیں۔

امام محمد:..... آپ کا نام محمد بن حسن اور کنیت ابو عبد اللہ ہے، آپ کی ولادت ۱۳۲ھ اور وفات ۱۸۹ھ میں ہوئی، امام صاحب کی وفات کے وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال تھی، اس لیے زیادہ مدت تک امام صاحب سے استفادہ نہ کر سکے، اس لیے ان کا شمار فقہ حنفی کے اولین سابقین میں نہیں ہوتا، لیکن انہوں نے امام صاحب کے بعد امام ابو یوسف سے فقہ حنفی کی تکمیل کر کے تدوین فقہ کی طرف خاص توجہ دی، اور حقیقت یہ ہے کہ فقہ حنفی کو متاخرین تک نقل کرنے کا سہرا امام محمدؒ کے سر جاتا ہے اور آج امام محمدؒ کی کتابیں ہی احناف کے لیے آنکھوں کا سرمہ ہیں، اور کوئی حنفی امام محمدؒ کی کتابوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا، یہی وجہ ہے کہ امام محمدؒ کو فقہ حنفی کا دوسرا بازو شمار کیا جاتا ہے، امام محمدؒ کی کتابیں فقہ حنفی کا اولین مرجع شمار کی جاتی ہیں، امام محمدؒ کی کتابیں استاد کے اعتبار سے دو درجوں میں منقسم ہیں:

قسم اول: کتب ظاہر الروایت ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں: (۱) جامع صغیر (۲) جامع کبیر (۳) سیر صغیر (۴) سیر کبیر (۵) مبسوط (۶) زیادات، ان کو ”اصول“ بھی کہا جاتا ہے، فقہ حنفی کا زیادہ تر اعتماد انہی کتابوں پر ہے۔

قسم ثانی: اس میں وہ کتابیں ہیں جو آپ کی طرف منسوب ہونے میں قسم اول کے برابر نہیں ہیں ان میں یہ کتابیں شامل ہیں: (۱) کیسانیات (۲) ہارونیات (۳) جرجانیات (۴) رقیات (۵) زیادات، مندرجہ بالا کتابوں کو غیر ظاہر الروایت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

امام زفر:..... امام صاحب کے دونوں ارشد تلامذہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے صحبت کے اعتبار سے مقدم تھے، فقہ حنفی میں ان کا درجہ امام ابو یوسف کے ہم بلہ اور امام محمدؒ سے زیادہ شمار کیا جاتا ہے، امام زفرؒ کے مرتبہ کا اندازہ اس



واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے جس کو شمیری نے امام صاحب کے نبیرہ اسماعیل بن حماد کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک دن امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ میرے ۳۱ شاگرد ہیں ان میں ۲۸ قاضی بن سکتے ہیں اور چھ مفتی بن سکتے ہیں اور دو یعنی ابو یوسف اور زفر دونوں گروہ کے استاذ اور مربی بن سکتے ہیں۔ (اخبار ابی حنیفہ واصحابہ، ص ۱۵۲)

اس واقعہ میں امام صاحب نے امام زفر کو اپنے اراکین شوریٰ کا استاذ قرار دیا ہے امام زفر قیاس واجتہاد میں اس درجہ ماہر تھے کہ قیاس ہی ان کی شان و پیمان بن گئی، تاریخ بغداد میں چاروں بزرگوں کا تقابل کرتے ہوئے لکھا ہے:

ایک شخص امام مزنی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اہل عراق کے بارے میں دریافت کرتے ہوئے امام مزنی سے کہا کہ ابوحنیفہؒ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ مزنی نے کہا اہل عراق کے سردار ہیں، اس نے پھر پوچھا: ابو یوسف کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ مزنی بولے وہ سب سے زیادہ حدیث کا اتباع کرنے والے ہیں، اسی شخص نے پھر کہا امام محمد کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ مزنی فرمانے لگے وہ تفریعات میں سب سے فائق ہیں، وہ بولا اچھا تو زفرؒ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ امام مزنی نے کہا وہ قیاس میں سب سے ماہر ہیں“ (حیات امام ابوحنیفہؒ: ۳۰۳)

امام ابوحنیفہؒ کے بعد امام زفر آپ کے حلقہ درس کی جانشین ہوئے، ان کے بعد مسند تدریس امام ابو یوسف کے حصہ میں آئی، بصرہ کا عہدہ قضا بھی ان کو ملا، لیکن فقہ حنفی میں ان کی کوئی تصنیف نہیں، اس لیے عموماً امام محمدؒ کے بعد اربعہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

قاسم بن معن:..... عبداللہ بن مسعودؓ کے خاندان سے ہیں، فقہ پر کافی عبور حاصل تھا اور عربیت و ادب میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے، امام محمدؒ نے اپنی کتابوں میں ان کے نام اور کنیت دونوں سے روایت کیا ہے، قاضی شریک بن عبداللہ کے بعد کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ (اخبار ابی حنیفہ واصحابہ، ص ۱۵۰)

علم حدیث میں بھی اونچا مقام حاصل تھا، صحاح ستہ کے مصنفین نے ان سے روایت کی ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ گوان سے خاص محبت تھی، یہ بھی جملہ ان لوگوں کے ہیں جن کی نسبت امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ”تم لوگ میرے دل کی تسلی اور میرے غم کو مٹانے والے ہو“ ان کو بھی امام صاحب کے ساتھ نہایت خصوص تھا، ایک شخص نے پوچھا کہ آپ فقہ و عربیت دونوں کے امام ہیں ان دونوں علموں میں وسیع کون علم ہے؟ فرمایا کہ واللہ ابوحنیفہؒ کی ایک تحریر کل فن عربیت پر بھاری ہے، ۱۷۵ھ میں وفات پائی۔ (سیرۃ النعمان، ص: ۲۳۰)

عافیہ بن یزید:..... فن حدیث میں بلند مقام پر فائز تھے، امام نسائی اور ابوداؤد وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے، بغداد کے قاضی تھے، خطیب نے لکھا ہے کہ عافیہ عالم و زاہد تھے، ایک مدت تک قاضی رہے پھر قضاء سے مستعفی

ہو گئے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۷/ ۳۹۸) امام صاحب کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے اور آپ کے شورائی کمیٹی کے اہم رکن تھے؛ امام صاحب ان کا بہت خیال کرتے؛ بلکہ ان کی رائے کے بغیر کچھ بھی دستوری کتاب میں تحریر نہ کیا جاتا تھا، ضمیری نے اسحاق بن ابراہیم کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ

”ابو حنیفہؒ کے تلامذہ کسی مسئلہ میں غور و خوض کرتے اور اس وقت عافیہ نہ ہوتے تو امام صاحب فرماتے اس کو ابھی مت لکھو اور جب عافیہ آتے اور سب کی رائے سے اتفاق کرتے تو امام صاحب فرماتے اس کو لکھو اور اگر وہ اتفاق نہ کرتے تو امام صاحب فرماتے اس کو مت لکھو۔“ (اخبار ابو حنیفہ واصحابہ، ص ۱۲۹)

یحییٰ بن زکریا بن ابوزائدہ:..... علامہ شبلی نعمانی نے سیرۃ النعمان میں امام طحاویؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ”امام صاحب کی شورائی میں لکھنے کی خدمت یحییٰ سے متعلق تھی اور وہ تیس برس تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے، آگے علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ یہ مدت صحیح نہیں؛ لیکن کچھ شبہ نہیں کہ وہ بہت دنوں تک امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کا کام کرتے رہے اور خاص کر تصنیف و تحریر کی خدمت انہی سے متعلق رہی۔“ (سیرۃ النعمان، ص ۲۱۶)

ضمیری نے صالح بن سہیل کا قول نقل کیا ہے کہ:

”یحییٰ بن زکریاؒ اپنے زمانے کے سب سے بڑے حافظ حدیث اور فقیہ تھے اور امام ابو حنیفہؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ کی مجلسوں میں کثرت سے شریک ہوتے تھے۔“ (اخبار ابی حنیفہ واصحابہ، ص ۱۵۰)

یہ امامؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے اور ایک مدت تک آپ کے ساتھ رہے تھے، یہاں تک کہ علامہ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کو ”صاحب ابی حنیفہ“ کا لقب دیا ہے، تہذیب التہذیب میں ابن عیینہؒ کا قول ہے:

”ما قدم علينا مثل ابن المبارك ويحيى بن ابي زائدة“

ہمارے پاس ابن مبارک اور یحییٰ بن ابی زائدہ جیسے اہل علم نہیں آئے۔“ (تہذیب التہذیب ۷/ ۳۷)

ابن ابی حاتمؒ سے منقول ہے کہ کوفہ میں سب سے پہلے یحییٰ بن ابوزائدہؒ نے کتاب لکھی اور غلی کہتے ہیں کہ یحییٰ مدائن کے قاضی تھے اور کوفہ کے حافظ محمد شین میں اُن کا شمار ہوتا تھا، وکیع نے اپنی کتابوں کو یحییٰ بن ابی زائدہ کی کتاب کی ترتیب پر مرتب کیا؛ ۱۸۲ھ یا ۱۸۳ھ میں مدائن میں ان کا انتقال ہوا۔ (تہذیب التہذیب: ۷/ ۳۸)

یوسف بن خالد سمرقانی:..... آپ امام صاحب کی شورائی کے رکن تھے اور طویل مدت تک امام صاحب کی صحبت میں رہ کر آپ کے خرم فیض سے خوشہ چینی کرتے رہے، یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بصرہ میں امام صاحب کی فقہ کو رائج کیا، ہارون رشیدؒ نے قاضی القضاۃ کا عہدہ تفویض کیا تھا، اخیر عمر میں زہد و تقشف کی زندگی بسر کی، قیاس میں بہت ماہر تھے؛ لیکن علم حدیث میں کوئی نمایاں مقام نہ تھا۔ (اخبار ابی حنیفہ واصحابہ، ص ۱۵۰)

داؤد طحاوی:..... امام ابو حنیفہؒ کے مشہور شاگرد ہیں اور تدوین فقہ میں امام صاحب کے شریک اور مجلس کے معزز ممبر

تھے، علامہ شمس الدین ذہبیؒ نے ”سیر اعلام النبلاء“ ۷/ ۴۲۲ میں ”الامام الفقیہ القدوة الزاهد“ سے ان کو یاد کیا ہے، فقہ واجتہاد کے امام تھے، امام محمدؒ نے بھی ان سے استفادہ کیا ہے، خاموش مزاج اور بہت کم گو تھے، ”امام محمدؒ کہتے ہیں: میں داؤد سے اکثر مسئلے پوچھنے جاتا اگر کوئی ضروری اور علمی مسئلہ ہوتا تو بتا دیتے ورنہ کہتے بھائی مجھے اور ضروری کام ہیں۔“

(اخبار ابی حنیفہ واصحابہ، ص ۱۱۲)

اخیر عمر میں زہد وقناعت اور دنیا سے بے رغبتی کو ترجیح دی، علامہ ضحیرؒ ان کے زہد وقناعت کے واقعات ذکر کرتے ہوئے عمرو بن ذر کا قول نقل کرتے ہیں: ”اگر داؤد الطائی صحابہ میں ہوتے تو ان میں نمایاں ہوتے“ محارب بن دثار کہتے ہیں کہ ”اگر داؤد الطائی پچھلی امتوں میں ہوتے تو اللہ تعالیٰ قرآن میں ان کا قصہ بیان کرتا“ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: ”جب داؤد الطائی قرآن پڑھتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جواب سن رہے ہیں“ محمد بن سید الطائی کہتے ہیں کہ ان کی بزرگی اور فضل و کمال کا یہ عالم تھا کہ جب انھوں نے امام ابو حنیفہؒ کے حلقہ درس کو ترک کیا تو خود امام صاحب اکثر ان کی زیارت کے لیے آتے تھے۔ ۱۶۲ھ میں انتقال ہوا۔ (اخبار ابی حنیفہ واصحابہ، ص: ۱۱۳، ۱۱۶)



احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بقائے انسانیت کا مدار دو چیزوں پر ہے، علم صحیح اور عمل صالح۔ یہ دونوں چیزیں انسانیت کے بنیادی جوہر ہیں، اور ان دونوں کی موت درحقیقت انسانیت کی موت ہے جو حضرات علم و عمل کے جامع اور انسانیت کے علمی نمونہ ہیں، ان کے بتدریج اٹھتے چلے جانے سے یہ دونوں چیزیں اٹھتی جا رہی ہیں اور انسانیت بتدریج دم توڑ رہی ہے، کسی زمانے میں کافروں سے جو اخلاقی نمونے دیکھنے میں آتے تھے، اب وہ مسلمانوں میں بھی بمشکل نظر آتے ہیں، نصف صدی پہلے کے فاسق و فاجر جس بلندی کردار کا مظاہرہ کرتے تھے، وہ آج کے بہت سے ”صالحین“ میں مفقود ہے، اور کچھ عرصہ پہلے کے اُمی اور جاہل خدا ترسی و دین شعاری کا جو نمونہ پیش کرتے تھے، وہ آج کے اہل علم و دانش کے یہاں عنقا د ہے۔ جس طرح انسانوں کی جسمانی صحت نسلاً بعد نسل کمزور ہوتی جا رہی ہے، اسی طرح اخلاقی صحت میں دن بدن رو بہ زوال ہے، آج کل عام طور پر انسان، انسان نہیں، انسانیت کی چلتی پھرتی لاشیں ہیں، جو حیات مستعار کا بار کندھوں پر اٹھائے پھر رہی ہیں اور فضائے بسیط کو اپنے تعفن سے مسموم کر رہی ہے۔

(شخصیات و تاثرات..... مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ)